حافظ علی بہادر خان ؒ
ایڈیٹر "دور جدید" بمبئی

عطاء اللہ شاہ بخاری

ثبت است بر جریدہ عالم دوامِ ما

انسانی زندگی یوں سوچو تو ہے ہی کیا۔ کمتر از حباب دریا ہے۔ لیکن کچھ زندگیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کے لئے کروڑوں انسانوں کے دلوں کی گہرائیوں سے یہ آواز نکلتی ہے۔

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی زندگی ایسی ہی عزیز ہے۔ ہندوستان کی تقسیم کے بعد پاکستانی رفقاء اُن سے مل کر آتش غم فراق ٹھنڈی کر لیتے ہیں مگر بھارت کے دور افتادوں سے کوئی پوچھے کہ ان کے دلوں پر کیا گزرتی ہے۔ ان کی پرانی صحبتوں کی یاد کس کس طرح آتی ہے۔

دل میں اک درد اٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے
بیٹھے بیٹھے ہمیں کیا جانیئے کیا یاد آیا!

جن لوگوں نے پاک وہند کی آزادی کے لئے جہاد کیا تھا۔ ان میں آج کتنوں ہی کے جذبات یہ ہوں گے کہ موجودہ آزادی کی زندگی سے وہ جہاد کی زندگی بہتر تھی۔ جس پر ہر قدم پر امتحان تھا اور ہر مرحلے پر کڑی آزمائش تھی۔ اس وقت کا خیال آتا ہے کہ ڈونگری بمبئی کے وسیع میدان میں ایک لاکھ سے زیادہ انسانوں کا سمندر موجیں مار رہا ہے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا انتظار ہے۔ کیونکہ ہم ان کی تقریروں کا اعلان کر چکے تھے۔ مگر یہ نہ پولیس کو معلوم تھا اور نہ ہی عوام کو کہ شاہ جی کہاں ہیں۔ پولیس وارنٹ لئے ان کے پیچھے پیچھے تھی اور وہ یکایک پلیٹ فارم پر کسی گوشے سے نکل آتے تھے۔ (۱) اس جلسے میں بھی ہم ان کو بھیسرٹی سے لائے اور ایک خاص پلان کے تحت پلیٹ فارم پر پہنچا دیا۔ پھر پولیس کی کیا مجال کہ پلیٹ فارم پر تقریر کے دوران گرفتار کر لے۔ اس جلسے میں آزادی کی تحریکات کے مخالفین بھی تھے۔ انہوں نے ایک پٹھان احرار رضا کار (بچہ نور خان شہید) کے چھرا مار کر انتڑیاں نکال دیں۔ وہ اسی جگہ جاں بحق تسلیم ہو گیا۔ (۲)

۱۔ شاہ جی پولیس کو جُل دے کر جلسوں میں پہنچ جاتے اور تقریر کرتے ہی دوسری جگہ نکل جاتے پھر وہاں بھی تقریر کر کے روپوش ہو جاتے۔ اس کیفیت کو دیکھ کر ایک جلسہ میں موجود ایک ہندو دانشور نے کہا تھا "ابھی ایں باجو بول رہا ہے اور ابھی اُوں باجو، بلی ہے بلی (ولی) آکاش وانی (آسمانی بولی)

۲۔ شاہ جی فرمایا کرتے کہ "بچہ نور بجلی کی سرعت سے میرے سامنے سینہ تان کر دیوار بن گیا اور مجھ پر ہونے والا وار اپنے پیٹ پر جھیل گیا۔ اس نے میرے ہاتھوں میں جان دی پھر میں نے اس شہید کی لاش ہاتھ میں اٹھا کر تقریر کی۔ تقریر کیا تھی شعلے اور انگارے تھے جو انگریز کے خرمنِ عریاں پر برس رہے تھے" (مدیر)

"شاہ جی کی اس تقریر کا کمال یہ تھا کہ اس کے قتل کے باوجود جلسے میں نظم قائم رہا۔ اور تقریر جاری رہی۔ تقریر ختم ہوتے ہی شاہ جی کے گرد ایسا جلوس چلا کہ پولیس حیران رہ گئی۔ موٹروں پر موٹریں تھیں۔ ان میں بٹھا کر پولیس کی آنکھوں میں دھول جھونک کر انہیں ایک محفوظ مقام پر پہنچا دیا۔ حالانکہ مجھے شاہ جی کی معیت کا فخر اس طرح حاصل نہ تھا۔ جس طرح احراران پنجاب کو۔ لیکن جو کچھ بھی روح پرور تجربات مجھ دور افتادہ رفیق کو بھی حاصل ہوئے۔ ان کے بیان کرنے کے لئے ایک کتاب درکار ہے۔

ان کی طبیعت میں مزاح تھا۔ لیکن جب وہ سنجیدہ مسائل میں اپنی رائے پیش کرتے تو نہ صرف اصابت اور معاملہ فہمی کا بہترین مظاہرہ کرتے بلکہ اس میں درد دل بھی شامل کر دیتے تھے۔ یہ غلط فہمی نہ ہو کہ وہ میدان خطابت ہی کے شہسوار تھے۔ اور آزادی کی تحریکات میں ذہنی قیادت کا رول ادا نہیں کرتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ خطابت کے کمال نے ان کی دیگر صلاحیتوں کو شہرت سے ہم کنار نہیں کیا۔

اب میں بھارت میں ہوں اور وہ پاکستان میں۔ اس لئے پاکستان کے رفقاء ہی بتا سکتے ہیں کہ پاکستان کے مخصوص حالات اور بیماریوں کے سخت حملوں کے درمیان ان کی ذہنی قیادت کس حد تک بروئے کار آسکی۔ اور اب وہ ان کی ذہنی صلاحیتوں سے استفادہ کرتے ہیں یا نہیں؟ لیکن ہمارے لئے ان کی معیت کے تجربوں کی یادیں ہمیشہ مشعل راہ رہیں گی۔

میری پہلی ملاقات ان سے بلگام خلافت کانفرنس میں ہوئی تھی۔ اس وقت مولانا عبدالقادر قصوری کا گروپ بڑے زور وشور سے علی برادران گروپ کے مقابلے پر آیا تھا۔ یہ بہت پرانی باتیں ہیں اور اندیشہ ہے کہ نہ معلوم جہاد حریت کے کتنے معرکے جن میں شاہ جی اور ان کے ہم جیسے رفیقوں نے ایک رول ادا کیا تھا جدید مؤرخین کی بے اعتنائی یا تعصب کے باعث نسیاً منسیاً ہو جائیں۔

ضرورت ہے کہ عطاء اللہ شاہ صاحب کے دوروں اور قیادت کے تمام واقعات قلمبند کئے جائیں۔ اور اگر اللہ کی توفیق شامل ہو تو خود شاہ جی کی مدد سے ان کو قلمبند کیا جائے۔ یقیناً جنگ آزادی کا یہ ایک اہم ترین باب ہوگا۔ میں رفیقان احرار سے اپیل کروں گا کہ اس بارے میں فوری اقدام کریں۔ کیونکہ اقبال کی طرح یہ نعرہ لگانے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

کہیں سے آب بقائے دوام لا ساقی

ماشاء اللہ حضرت شاہ جی کے کتنے ہی رفیق اہل قلم ہیں اور ان میں سے بعض کو وسائل بھی میسر ہیں۔ وقت اڑا چلا جا رہا ہے۔

العجل۔ العجل۔ الساعة بعد الساعة

ابھی تو شاہ جی زندہ ہیں۔ گزشتہ نصف صدی کے اہم تاریخی واقعات میں ان کی چشم دید شہادت حاصل ہو سکے گی۔

ایک اور خطرہ یہ ہے کہ ہندوستان کے جہاد حریت کی تاریخ کی تدوین و تالیف میں حقائق و واقعات کو بدلا جا رہا ہے۔ کئی قسم کے ایسے اثرات کام کر رہے ہیں جو بعض شخصیتوں کو نظر انداز کر رہے ہیں اور بعض

واقعات کو اپنے مخصوص تعصّبات کے سانچے میں ڈھالا جا رہا ہے۔ اس لئے مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی حیات ہی میں وہ تاریخ مدوّن ہو جائے جس میں انکا رول اتنا نمایاں ہے۔

مجلس احرار کی تاریخ کے ساتھ خصوصاً بے انصافی کی جا رہی ہے۔ حالانکہ جہاد کا جو تصور دماغوں میں ہے اس کا صحیح اندازہ اسی تحریک میں نظر آیا تھا اور حضرت شاہ جی اس کے ممتاز ترین رہنماؤں میں سے ایک ہیں۔

اسی طرح تحفظ ختم نبوت کی تحریک کو اگر شاہ جی کی سرپرستی حاصل نہ ہوتی تو ہندوستان کے مسلمانوں کے عقائد مسخ ہو جاتے۔ نیز ملک میں سامراج کا پانچواں کالم (قادیانی) بہت طاقتور اور موثر ہو جاتا۔ شاہ جی کی تقریروں نے اس فتنے کا بروقت سدباب کر دیا۔ تحریک آزادی کے غیر مسلم علمبرداروں نے شاہ جی کی (تحریک تحفظ ختم نبوت) کے سیاسی اثرات کا کبھی احساس نہیں کیا۔ وہ یہی سمجھتے رہے کہ یہ مسلمانوں کا داخلی مذہبی اختلاف ہے۔ جس کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ حالانکہ قادیانی تحریک کا ایک خطرناک نعرہ یہ تھا کہ انگریز اولی الامر ہیں۔ اس لئے ان کی اطاعت اور ان سے وفاداری اسلامی فرض ہے۔ بعض مفکرین نے تو زبردست دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ قادیانی مذہب کی بنیاد ہی سامراج نے قائم کی تھی اور مرزا غلام احمد اس کا صرف آلۂ کار تھا۔

اس بارے میں شاہ جی کا رول اتنا نمایاں ہے کہ کوئی ان کی گرد کو نہیں پہنچتا۔ وہ اس دینی و سیاسی فتنے کی کافی بیخ کنی کر چکے ہیں اور احرار رفیقوں نے ان کی قیادت میں قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔

ایک اور پہلو شاہ جی کی زندگی کا نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ احرار نے حکومت الٰہیہ کی جو تحریک شروع کی تھی اس میں بھی شاہ جی کا قائدانہ رول تھا۔ ملک کی تقسیم کے باعث اس تحریک پر زوال آ گیا لیکن مجھے امید ہے کہ اس کا احیاء ضرور ہوگا۔

مراد آباد کی ایک احرار کانفرنس میں جو خطبہ صدارت میں نے ایک کتاب نظام حکومت الٰہیہ کی شکل میں پیش کیا تھا۔ شاہ جی نے اس کی پرزور تائید کی تھی۔

اس کانفرنس میں حضرت والا منہ ڈھانپ کر پنڈال میں گھسنے لگے۔ مراد آباد کے احرار رضا کاروں نے روک کر داخلہ ٹکٹ مانگا۔ لیکن جب شاہ جی نے چہرہ کھولا تو وہ متحیر رہ گئے۔ اس طرح شاہ جی نے مراد آباد کے رضا کاروں کا امتحان لیا تھا جس میں وہ لوگ کامیاب ثابت ہوئے۔ اور شاہ جی نے ان کی بہت تعریف کی۔

ایک خاص بات عطاء اللہ شاہ بخاری کی سیاسی و مذہبی زندگی کو دوسرے اکثر لیڈروں سے ممتاز کرتی ہے۔ وہ یہ کہ ملک کے بہترین خطیب ہونے کے باوجود وہ عہدوں اور ممبریوں کی تمناؤں سے بالاتر رہتے تھے۔

کانگرس اور جمعیت العلماء پر جب مصیبت کا وقت آتا تھا تو وہ شاہ جی کی طرف امداد کے لئے دوڑتے تھے۔ لاہور میں جب جمعیت علماء کے اجلاس پر قبضہ کرنے اور صدر اجلاس حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی

پگڑی اچھال دینے کا منصوبہ دشمنوں نے بنایا تھا تو شاہ جی نے ہی احرار کے سر خپوش مجاہدین کو حکم دیا اور انہوں نے مخالفین کے حملہ آوروں کا ذرا سی دیر میں قلع قمع کر کے جمعیتہ علماء کے لئے میدان صاف کر دیا۔

اسی طرح حافظ محمد ابراہیم کے الیکشن کے معرکے میں جب یہ حال تھا کہ

مدد کو دوڑ صنم اب کفن کو آگ لگی(۱)

تو اس وقت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ہی کی قیادت کام آئی تھی۔

سلطان ابن سعود کے خلاف جب برطانیہ کے پٹھو شریف حسین کی حمایت میں سارے ملک میں شور برپا کر رہے تھے اور کسی لیڈر کی مجال نہ تھی کہ اس فضا میں تقریر کر سکے مگر عطاء اللہ شاہ بخاری نے اس وقت بھی ہزار ہا جذباتی مخالفین کو اپنی خطابت سے ایسا شیشے میں اتارا کہ وہ تقریر سن کر زار و قطار روتے تھے۔

بمبئی میں جب ایک عظیم الشان احرار کانفرنس منعقد ہوئی تو کانفرنس کے وسیع پنڈال کے تمام راستوں کی سرکاری پارٹیوں نے ناکہ بندی کر دی تھی۔ اس کے بڑے انتظامات تھے کہ لوگ کانفرنس میں شرکت نہ کرنے پائیں۔

لیکن اس کانفرنس میں شاہ جی کی تقریر ہونے والی تھی۔ مخالف پارٹیوں کے یہ منصوبے ایک طرف اور شاہ جی کی تقریر کا اعلان دوسری طرف۔ ہزارہا مسلمان آئے اور تقریر کامیاب ہوئی۔

حضرت شاہ جی کی ان فاتحانہ مہموں کا تذکرہ اتنا طویل ہو سکتا ہے کہ اخبارات کے صفحات میں ان کے لئے گنجائش نہ نکل سکے۔ اس لئے مشتے از خروارے چند واقعات پیش کر دیئے ہیں۔ یہ کرہ زمین اپنے محور پر ہزاروں گردشیں کرنے کے بعد بھی ایسا خطیب نہیں پیش کر سکے گی۔

درویشانہ مزاج کے ساتھ ہی سوز و گداز کا یہ عالم کہ جب تقریروں میں قرآن کی کوئی آیت پڑھتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابھی آسمان سے نازل ہو رہی ہے۔

ایک بار مخالفوں کے زبردست اجتماع میں لوگوں کا خیال تھا کہ آج عطاء اللہ شاہ بخاری پر ضرور حملہ ہو

۱۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ شاہ جی نے ہمیشہ علماء کے لئے راستے صاف کئے خصوصاً جمعیت علماء ہند کے اکابر و اصاغر کی عزت و وقار کی حفاظت کے لئے قاتلانہ حملوں کی زد میں بھی آئے۔ جمعیت علماء ہند کے سینکڑوں جلسوں اور کانفرنسوں کی کامیابی تنہا شاہ جی کی وجود کی مرہون منت ہے۔ مگر "علماء ہند کا شاندار ماضی" کے مصنف کو شاہ جی نہ تو علماء کی صف میں نظر آئے اور نہ علماء کے لئے ان کی خدمات ملیں۔ خود شاہ جی فرمایا کرتے تھے "میں محسود العلماء تھا مگر اللہ نے مجھے زبان ایسی عطاء فرمائی تھی جس سے وہ خوفزدہ ہو کر مجبوراً مجھے قبول کرتے"۔ پاکستان بننے کے بعد شاہ جی کی بیماری اور ضعیفی سے بعض علماء نے خوب فائدہ اٹھایا اور وفات کے بعد تو اس کے شواہد عملی طور پر یوں منظر عام پر آئے کہ ان کی جماعت مجلس احرار اسلام، ان کے حقیقی وارث، ان کی اولاد کو اور ان کے قابل فخر رفقاء کو اپنے شخصی اور ذہنی تعصبات کا خوب نشانہ بنایا اور یہ سلسلہ تا ایں دم جاری ہے۔ (مدیر)

گا۔ لیکن جب انہوں نے تقریر شروع کی تو جلسے کا رنگ دیکھتے ہوئے اول عام اصولی باتیں بیان کیں۔ پھر آہستہ آہستہ جلسے کے جذباتی ماحول پر قبضہ کرنا شروع کیا۔ اول جو باتیں کہی گئی تھیں وہ تمہید ثابت ہوئیں۔ ایسی تصریحات کیں جنہوں نے مخالفوں کے تمام منصوبوں پر پانی پھیر دیا۔ کیونکہ پارٹی بند جرگے کی ساری پبلک شاہ جی کے ساتھ ہو چکی تھی۔ تقریر کیا تھی آرٹ تھا اور آرٹ بھی شاہکار۔ جب شاہ جی نے یہ شعر پڑھا:۔

بیاورید گر اینجا بود زباں دانے
غریب شہر سخنہائے گفتنی دارد

افسوس کہ سرکاری مؤرخین نے انقلاب کی اس عظیم الشان شخصیت کو نظر انداز کر دیا ہے لیکن ان شاء اللہ ایسے ارباب قلم حلقۂ احرار میں پیدا ہوں گے۔ جو سرکاری مؤرخین کی اس غلطی کی تلافی کر دیں گے۔ اور شاہ جی کی طرف سے انہیں جتا دیں گے کہ:۔

پتہ پتہ بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

افسوس کہ اس عدیم الفرصتی کے باعث اور زیادہ نہیں لکھ سکتا۔ "دور جدید" میں قصہ پارینہ کے عنوان سے جو سلسلہ جاری ہے اس میں شاہ جی کی زندگی کے تذکرہ مفصل ہوں گے۔ (ان شاء اللہ)

تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل!

❀

آج مسلمان ایک اہم شخصیت سے محروم ہو گئے ہیں یہ کہنا مناسب ہو گا کہ مولانا وقت کے سب سے بڑے خطیب تھے

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

ہم ایک بڑی طاقتور مذہبی شخصیت سے محروم ہو گئے ہیں۔

مولانا امین احسن اصلاحی:

شاہ جی، جن صفات حمیدہ کے حامل تھے وہ شاید ہی آئندہ کسی ایک شخصیت میں جمع ہو سکیں۔ ان کی شخصیت اتنی جاذب تھی کہ تقریر کے لئے اٹھتے تو جی چاہتا تھا کہ آپ کو دیکھتا ہی رہے۔

مولانا خان مہدی زمان خان:

آہ! وہ ہستی جن کو ہم پیار سے جیل میں "آتو" کہہ کر پکارتے تھے۔ ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا ہے۔ آج وہ، کل ہماری باری ہے۔

مولانا لقاء اللہ عثمانی:

وہ انقلاب لانے والوں کی صف اوّل میں شامل تھے۔ امام الہند، شیخ الاسلام اور سحبان الہند کے ناموں کے ساتھ ساتھ امیرِ شریعت کا نام بھی اصحاب الرقیم کی طرح تاریخ میں رقم رہے گا۔

مولانا اظہار الحق سہیل عباسی: